آج کا ''ھُبُلْ'' (بڑا بُت): مادّہ پرستی

چوہدری رفاقت علی ☆

زمانۂ جاہلیت کے بُتوں کا تعارف

آج مجھے اُس بت کی بات نہیں کرنا جو قریش کا بت تھا' جس کا نام ''ھُبل'' تھا۔ جو انہوں نے خانہ کعبہ کے درمیان' ایک کنوئیں پر' نصب کیا ہوا تھا —— اور نہ ہی ''اِساف'' اور ''نائلہ'' کی بات کرنا ہے' جن کی قریش عبادت کرتے تھے' اُن کے سامنے قربانیاں کرتے تھے۔ ''اِساف'' (مرد) اور ''نائلہ'' (عورت) قبیلہ جرہم کے ایک مرد اور عورت کا نام تھا۔ ان دونوں سے خانہ کعبہ میں بدفعلی صادر ہوئی' جس کی پاداش میں اللہ ربّ العزت نے ان کو پتھر بنا دیا —— اور نہ ہی مجھے ''عُزّیٰ'' کی بات کرنا ہے' جو قریش اور بنی کنانہ کا ایک بت تھا' اور اس کے مجاور اور دربان ''شیبان بن سلیم'' کی اولاد تھے' جو بنی ہاشم کے فریق مخالف تھے اور خاص طور پر ابوطالب کے! —— اور نہ ہی مجھے ''قبیلہ ثقیف'' کے بت' جو طائف میں رکھا ہوا تھا' جس کا نام ''لات'' تھا' اس کی بات کرنا ہے —— اور نہ ہی مجھے قبیلہ ''اوس وخزرج'' کے بت ''منات'' کی بات کرنا ہے' جسے گرانے کے لیے حضور اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد ابوسفیانؓ اور بعض کے مطابق' علیؓ بن ابی طالب کو بھیجا تھا —— اور نہ ہی مجھے قبیلہ ''دوس وخثعم وبجیلہ'' کے بت ''ذوالخلصہ'' کی بات کرنا ہے' جس کو گرانے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے جریر بن عبداللہ البجلیؓ کو بھیجا تھا۔ بعض کے مطابق اس بت کو گرانے کے لیے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بھیجا تھا' جنہوں نے اس کو گرایا اور اس میں دو تلواریں ملیں جن میں سے ایک کا نام ''رسوب'' اور دوسری کا نام ''مخذم'' تھا۔ حضرت علیؓ دونوں تلواریں آپؐ کے پاس لے آئے' جو آپؐ نے ان کو بخش دیں۔ پس وہی دو تلواریں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تھیں —— اور نہ ہی مجھے قبیلہ ''حمیر'' اور اہلِ یمن کے بت ''رئام'' کی بات کرنا ہے —— اور نہ ہی عربوں کے قبیلہ ہذیل' جو مقام ''رہاط'' میں ''سواع'' کی عبادت کیا کرتا تھا' اس کی بات کرنا ہے! —— اور نہ ہی مجھے اس بت کی بات کرنا ہے جس کا نام ''وَدّ'' تھا اور جس کی مذمت میں کعبؓ بن مالک انصاری نے شعر کہا تھا' جس کا ترجمہ یہ ہے:

''ہم ''لات وعزیٰ وود'' کو چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے قلادے اور ہار چھین لیتے ہیں۔''

اور نہ ہی مجھے ''یغوث'' کی بات کرنا ہے جس کی اہلِ جرش کے مقام میں عبادت کی جاتی تھی —— اور نہ ہی مجھے ''قبیلہ خیوان'' نے جو ہمدان کی اولاد سے تھا' کے بت ''یعوق'' کی بات کرنا ہے جو ارضِ ہمدان میں نصب تھا! —— اور نہ ہی مجھے ''نسر'' اور ''غم انس'' بتوں کی بات کرنا ہے! —— نہ ہی مجھے عربوں کی صنم پرستی یا بت پرستی یا

☆ ماہرِ تعلیم

موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سونے کے بچھڑے کی پوجا کی بات کرنا ہے!! یہ تمام بت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی ختم کر دیے گئے تھے۔ ہدایت کی ہوائیں چلیں' لوگ کامیاب زندگی کی راہ پر گامزن ہوئے اور انہوں نے اپنی منزلِ مقصود پالی۔ مجھے تو آج کے زمانہ کے بت کی بات کرنا ہے جو ہر فرد کے دل میں' ہر شہر' ہر ملک میں پایا جاتا ہے اور جس نے ساری دنیا کے انسانوں کو اپنا اسیر بنایا ہوا ہے اور انہیں احساس تک بھی نہیں کہ ہم ''غیر اللہ'' کی پرستش کر رہے ہیں۔ اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں' اپنے تمام ''وسائل مادی'' اسی ایک بت کی پرستش میں صرف کر رہے ہیں اور ہمیں خبر تک نہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں! کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مادہ کی ایک دوڑ ہے جس میں ہر فرد' خاندان اور قوم اپنی صلاحیتوں کو کام میں لا رہی ہے —— آخرت کی زندگی سے بالکل بے خبر بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیم سے بالکل بے بہرہ۔

عصرِ حاضر کے بُتوں کا تعارف

وہ بت پرستی' جس میں آج پوری دنیا کے انسان' جن کی تعداد کم و بیش سات ارب کے لگ بھگ ہے' مشغول ہیں' اُس کا نام ہے ''مادہ پرستی'' —— ''جاہ پرستی'' —— اور ''ہوس پرستی''۔ اس زمانے کے بڑے بت ''ہبل''، ''لات''، ''منات'' نہیں بلکہ ''مادہ پرستی'' (مال) ''ہوس پرستی'' (خواہشات) اور جاہ پرستی (اقتدار) ہیں' جن کی پرستش شب و روز جاری ہے۔ آج کی اصل بت پرستی ''مادہ پرستی'' ہی ہے اور اسی کا دیا ہوا تحفہ ''مغربی جمہوریت'' ہے (جس کا تذکرہ اپنے مقام پر کیا جائے گا)۔

جب تک ان دو مہلک بیماریوں (یعنی مادہ پرستی اور جمہوریت) جو ہماری سیاسی' معاشی' معاشرتی زندگی کو لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں' کا کھوج نہیں لگایا جاتا' تب تک نہ تو ان کا علاج تجویز کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی پوری نوعِ انسانی اس شیطانی چکر (vicious circle) سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

مادہ کو مادہ کے ذریعے اکٹھا کرنا' پھر اس ''ہوس پرستی'' کو فروغ دینا اور ''ہوس پرستی'' کی تکمیل کے لیے ''جاہ پرستی'' کی طلب' کوشش اور محنت میں دن رات ایک کرنا —— نتیجہ کیا نکل رہا ہے؟ نہ دنیا میں چین' سکون' سکھ' آرام اور نہ ہی اتفاق' الفت' محبت' شفقت اور پیار۔ یہ سب کچھ ہی غائب ہو رہا ہے —— اور اس کی جگہ نفرت' نفاق' پریشانی' دکھ' درد' نااتفاقی' جھگڑے' تمام رذائل انسانیت کو گھیرے ہوئے ہیں —— اور وہ اس مادہ کے چکر سے آزاد ہونے سے رہا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس ''مادہ پرستی'' کی بنیادی وجہ کیا ہے؟ ایک نظر تاریخ کے اوراق پر دوڑائی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس ساری زندگی کے کاروبار میں' جو شے بالکل نظر ہی آتی نہیں' وہ ہے روحانی زندگی کا عنقا ہونا۔

مادی جسم اور روحانی جسم کی ضرورتیں

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مادہ کی ضرورتیں مادہ سے ہی پوری ہوں گی اور روح کی ضرورتیں روحانی اعمال سے ہی ترقی کریں گی۔ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ جسم دو عناصر کا مرکب ہے۔ ایک مادی جسم اور دوسرا روحانی جسم۔ ہمیں جسم تو نظر آتا ہے کہ مٹی اور گوشت پوست کا بنا ہوا ہے۔ ہم اس بات سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ روح

کے بغیر جسم کی حیثیت بالکل صفر ہو کر رہ جاتی ہے' کیونکہ روح کے بغیر ''زبان'' موجود ہونے کے باوجود ''بولتی'' نہیں، ''کان'' موجود ہونے کے باوجود ''سنتے'' نہیں، ''ہاتھ'' موجود ہونے کے باوجود ''پکڑتے'' نہیں، ''ٹانگیں'' موجود ہونے کے باوجود ''چلتی'' نہیں، ''ناک'' موجود ہونے کے باوجود ''سونگھنے'' کی صلاحیت سے محروم' اسی طرح ''دماغ'' موجود ہونے کے باوجود ''سوچنے سمجھنے'' کی صلاحیت سے عاری اور ''دل'' موجود لیکن ''دھڑکن'' بند۔ یہ سب کچھ صرف اور صرف ''اللہ ربّ العزت'' کا امر (یعنی روح) تھا جس کی بدولت جسم کا تمام نظام حرکت میں تھا —— ''روح'' غائب تو ''حرکت'' بند۔ گویا زندگی نام ہی حرکت کا ہے' جب تک حرکت جاری وساری ہے تب تک زندگی رواں دواں ہے۔

ہمارے لیے یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ انسانی کاوش کا مرکز ومحور صرف اور صرف مادی جسم کی نشوونما اور ترقی ہے —— جسم کا دوسرا حصہ' جو اس مادی جسم کو حرکت دیے ہوئے ہے' اس کے بارے میں انسانوں کے ایک بہت بڑے مجموعہ نے کبھی غور وفکر ہی نہیں کیا —— اگر ''روح'' جو تمام زندگی کو متحرک کیے ہوئے ہے' اس کی ''غذا'' کا بندوبست نہ کیا جائے تو زندگی کی ساری عمارت ایک دم زمین بوس ہو جائے گی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ ''غذا'' جسے ہم ''روحانی غذا'' کہتے ہیں' وہ میسر کہاں سے ہوتی ہے؟ اور اللہ ربّ العزت جو اس ساری کائنات کا خالق' مالک' رازق' علیم' خبیر اور علیم بذات الصدور ہے' اس نے اس کا بندوبست کیسے کیا ہے؟ ہم بخوبی جانتے ہیں' جسم کا دوسرا حصہ ''روحانی غذا'' کا متقاضی ہے جو آسمانوں سے مہیا کی جاتی ہے' اس کے لیے اللہ ربّ العزت نے انبیاء ورسل علیہم السلام کو دنیا کے انسانوں اور جنوں کے لیے مبعوث فرمایا تاکہ ان کی ''روحانی غذا'' جو آسمانوں سے مہیا کی جاتی ہے' کا انتظام کریں۔ دراصل انسانوں اور جنوں کی تخلیق کا مقصد وحید ہی یہ تھا کہ وہ اللہ ربّ العزت کو خالق' مالک' رازق' علیم' خبیر' علام الغیوب مان کر' اس کی تمام صفات کے ساتھ ایمان لا کر' اس کی بندگی اور عبودیت کریں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝۵۶﴾ (الذّٰریٰت)

''اور میں نے جِنّوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

اسی ''روحانی غذا'' کی فراہمی کے لیے انبیاء ورسل علیہم السلام کو مبعوث کیا جاتا رہا ہے تاکہ ''ہدایت'' اور ''صراطِ مستقیم'' کی زندگی استوار ہو سکے۔

یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ جب تک جسم کو یہ دونوں غذائیں متوازن طریقہ سے مہیا نہیں کی جائیں گی' زندگی غیر متوازن ہو جائے گی۔ یہاں بھی دکھ اور پریشانی' اور آخرت میں بھی نجات محال ہو جائے گی۔

انسان کی حقیقت اور نظریۂ زندگی

روزِ اوّل سے انسان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ایک ابدی زندگی کی حقیقت کی تذکیر کرتے چلے آئے ہیں کہ:

(i) انسان کی حقیقت ہے کیا؟

(ii) دنیا میں انسان کو کس لیے بھیجا گیا ہے؟

(iii) دنیا میں انسان کو کیا کرنا ہے؟

(iv) دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اس کے ساتھ ہوگا کیا؟

یہ چار سوالات ایسے ہیں جو ہر انسان سوچنے پر مجبور ہے' کیونکہ انسانی ''عقل'' کا تقاضا ہے کہ وہ ان سوالات کے جوابات تلاش کرے' اور جوابات ملنے پر' اپنا ایک ''نظریۂ زندگی'' مرتب کرے اور اس ''نظریۂ زندگی'' کو اپنی ''عملی زندگی'' میں جاری وساری کرے۔ اس کے ساتھ ہی اس ''نظریۂ زندگی'' کی ترویج وترقی کے لیے کوشاں رہے تاکہ وہ دوسروں کو اپنے ''نظریۂ زندگی'' کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے تیار اور آمادہ کر سکے اور اس کے ساتھ ہی خود بھی اسے ''نظریۂ زندگی'' پر عمل پیرا ہونے میں آسانی اور سہولت میسر ہو سکے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ پانی کے الٹے رخ تیرنے میں کتنی دقت اور مشکل پیش آتی ہے۔ اسی طرح دنیا کے اندر کسی دوسرے کا اگر کوئی اور ''نظریہ زندگی'' ہوگا تو یہ امر فطری ہے کہ ان ''دو نظریاتِ زندگی'' کا آپس میں ٹکراؤ اور تصادم یقینی ہے' جس کے نتیجہ میں ''کمزور نظریۂ زندگی'' نیست ونابود ہو جائے گا اور ابدی حیثیت رکھنے والے اور ''مضبوط نظریۂ زندگی'' کو دوام حاصل ہوگا۔

عربوں کا قبائلی سسٹم اور قبائلی عصبیت

ہم بخوبی جانتے ہیں کہ زمانہ قبل از اسلام عربوں کی تہذیب' ان کی معاشرتی' معاشی اور سیاسی زندگی کا کیا رخ تھا؟ اور اس کے پیچھے جو ایک ''نظریہ زندگی'' کارفرما تھا' اس کی وضاحت کر دی جائے تو بات زیادہ واضح طور پر سمجھ میں آ جائے گی۔ یوں کہیے کہ عربوں میں ''قبائلی سسٹم'' رائج تھا اور قبائلی عصبیت ان کی زندگی کا بنیادی نظریہ تھا' جس کے گرد ان کی تمام زندگی کے معاملات طے ہوا کرتے تھے۔ گویا اگر کسی قبیلہ کے ایک شخص سے کسی دوسرے قبیلہ کے شخص کا قتل ہو جاتا تو گویا قاتل (اکیلا) اس کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاتا تھا' بلکہ اس کے قتل اور قصاص کی ادائیگی کی خاطر ''قاتل قبیلہ'' ہی ذمہ دار ٹھہرایا جاتا تھا۔ یہ تھی ''قبائلی زندگی کی عصبیت کی قوت'' جو ان کی زندگی کے تمام امور میں کارفرما تھی۔ اور اگر معاملہ طے نہیں پاتا تھا تو پھر برسوں لڑائی جاری رہتی تھی۔ اس قبائلی زندگی کی عصبیت سے ''اسلام'' نے ان کو نکالا اور ان کو ایسی زندگی سے روشناس کرایا جو باہمی محبت' اخوت اور عزت واحترام پر مبنی تھی' کیونکہ اسلام کی رو سے ایک قاتل (اکیلا) ہی اس قتل کا ذمہ دار ہے نہ کہ پورا قبیلہ۔ اور ''قصاص'' کا معاملہ بھی اسلام نے متعارف کرایا' بلکہ معاف کرنے کو اعلیٰ درجہ کے کردار کے مصداق قرار دیا۔

ہم جانتے ہیں کہ انبیاء ورسل علیہم السلام کی بعثت کا مقصدِ وحید یہی ہوا کرتا تھا کہ وہ دنیا میں انسانوں کو ''مالک کائنات'' کی ذات اور صفات سے متعارف کراتے اور کائنات کو وجود بخشنے کے بارے میں آگاہ کرتے۔ لوگوں کو ''مالک کائنات'' کی مرضیات سے آگاہ کرنا اور ناراضی والی باتوں سے متنبہ کرنا انبیاء ورسلؑ کی بنیادی ذمہ داریوں میں شامل تھا' اسی لیے وہ ''بشیر'' اور ''نذیر'' یعنی بشارتیں دینے والے اور خبردار کرنے والے کہلواتے تھے۔

کائنات کی تخلیق کا مقصد

یہ سوچ عین فطرت کے مطابق ہے کہ ''مالک کائنات'' نے جو اتنا بڑا ''نظامِ کائنات'' قائم کیا ہے وہ عبث

تو نہیں ہوسکتا اور اس میں ''جن وانس'' کو بھی وجود بخشا تا کہ اس کائنات میں رونق افروز ہوں —— کائنات کی تمام چیزوں' زمین' آسمان' چرند' پرند' حیوانات' نباتات' جمادات' پہاڑ' دریا' سمندر غرضیکہ تقریباً اٹھارہ ہزار مخلوقات ''مالک کائنات'' نے ''جن وانس'' کی خدمت کے لیے پیدا کی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ (البقرۃ:۲۹) ''وہی ہے جس نے تمہارے لیے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے' سب کا سب''۔ گویا ساری مخلوقات کی تخلیق صرف اور صرف انسان کی خدمت کے لیے پیدا فرمائی۔ یہ امر یقینی ہے کہ ساری کی ساری مخلوق ''امر تکوین'' کے تحت کام کر رہی ہے۔ سورج' چاند' ستارے' زمین' پہاڑ' دریا' سمندر' ہر ایک اپنے اپنے فرائض اللہ کے ''امر'' کے مطابق ہر وقت ادا کر رہا ہے' اور اللہ کے ''امر'' کو پورا کرنے میں' سرمو انحراف نہ ہی کرتا ہے اور نہ ہی کر سکتا ہے۔ انبیاء و رسلؑ نے انسانوں کو بتایا کہ ساری کائنات کو اللہ ربّ العزت نے انسان کی ''خدمت'' میں لگایا اور خود ''انسان'' کو اپنی بندگی میں لگایا۔

دینِ اسلام کیا ہے؟

انبیاء کرامؑ نے ''مالک کائنات'' کی ذات کے حوالے سے بتایا کہ وہ اکیلا ساری کائنات کا نہ صرف خالق اور مالک ہے' بلکہ اس پوری کائنات پر مکمل طور پر تصرف کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ تاہم انسان کو وجود بخشنے کے بعد' اسے ہدایت کی راہیں بتلانے کے ساتھ' ایک حد تک اختیار یہ دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی اور اختیار سے دو راستوں میں سے ایک کا انتخاب کر کے اس پر عمل کرے۔ ان دو راستوں میں سے ایک کامیابی کا راستہ یعنی صراطِ مستقیم اور دوسرا ناکامی کا راستہ یعنی گمراہی و ضلالت کا راستہ ہے۔ ''مالک کائنات'' کی صفات کے بارے میں انبیاء کرامؑ نے انسانوں کو آگاہ کیا کہ وہ علیم بھی ہے' خبیر بھی ہے اور علیم بذات الصدور بھی ہے۔ کیونکہ وہ ابتدا سے انتہا تک کی باتوں کے علم کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس کی خبر بھی رکھتا ہے۔ نہ صرف ظاہری باتوں کی خبر رکھتا ہے بلکہ سینے کے اندر' خفیف سا خیال' جو کسی کے دل میں پیدا ہوتا ہے' اس کا بھی وہ علم رکھتا ہے' حتیٰ کہ معمولی مخلوق ''چیونٹی'' کے پاؤں کی آہٹ تک کو سنتا ہے' اس کی حفاظت بھی کرتا ہے اور اسے رزق بھی مہیا کرتا ہے۔ ایک صفت ''مالک کائنات'' یعنی اللہ ربّ العزت کی ''علام الغیوب'' ہونا ہے۔ گویا وہ تمام غیب کی باتیں خواہ دنیا کے متعلق ہوں یا آخرت کے بارے میں' سب جانتا ہے۔ اس ''مالک کائنات'' سے انسان کو تعلق جوڑنے کے لیے انبیاء و رسلؑ کے ذریعے انسانوں تک ''صراطِ مستقیم'' یا ''ہدایت'' کی تعلیمات پہنچائیں تا کہ اپنے حقیقی ''مالک کائنات'' کی مرضیات کو معلوم کر کے' اس پر عمل کر کے اور انہی باتوں کو انسانوں تک پہنچاتے ہوئے' دنیا سے رخصتی کے بعد ''مالک کائنات'' سے ملاقات کرے۔ نتیجتاً ''مالک کائنات'' سے ''اخروی'' نعمتوں کو حاصل کرنے والا بنے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا وجود جنت میں پیدا کیا گیا اور دوبارہ تمام بنی آدمؑ کو جنت کی راہ دکھلائی۔ اطاعت کرنے والے یعنی فرمانبردار' اسی جنت میں دوبارہ جائیں گے۔ مالک کائنات کے فضل و کرم سے یہ تھی مختصر سی ''دعوتِ دین'' جو انبیاء کرامؑ کے ذمہ تھی کہ اسے انسانوں اور جنوں تک پہنچائیں۔ ''دین'' ضروریات کے پورا کرنے کا نام ہے' خواہ ضروریاتِ دنیوی ہوں یا اُخروی۔ اسی کی محنت انبیاء کرامؑ نے فرمائی۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران:۱۹) ''بے شک دین تو اللہ کے نزدیک

اسلام ہی ہے''—— زندگی کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کے لیے پورے کا پورا اسلام میں داخل ہونا پڑے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪﴾(البقرۃ:۲۰۸)''اے ایمان کے دعوے دارو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔''

''بندگی'' کسے کہتے ہیں؟

اب دیکھنا یہ ہے کہ ''بندگی'' کسے کہتے ہیں اور ''حق بندگی'' کیا ہے؟ ''بندگی'' انبیاء کرامؑ کے طریقہ زندگی (اُسوۂ حسنہ) کے مطابق اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے۔ گویا اللہ ربّ العزت کے حضور مکمل سپردگی ہی کا نام ''بندگی'' ہے' یعنی اللہ ربّ العزت کی مکمل اطاعت یا Total Submission۔ گویا ہر آن' ہر گھڑی' اپنے مالک کائنات کے احکام کی بجا آوری کا نام ہی بندگی ٹھہرا۔ ہم جانتے ہیں کہ ''مالک کائنات'' نے' انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک کی زندگی کے تمام تر احکامات (اعمال اور افعال) اپنے پیارے انبیاء کرام علیہم السلام کی وساطت سے انسانیت کو عطا فرمائے۔ اس تناظر میں ''دین'' کی تھوڑی سی وضاحت اور کیے دیتے ہیں۔ بھلا ''دین'' کسے کہتے ہیں؟ ''دین'' اُس طریقہ زندگی کو کہیں گے جو مالک کائنات نے انسانوں کی ضروریاتِ زندگی' دُنیوی اور اُخروی' پورا کرنے کے لیے عطا فرمایا ہے۔ ان احکام پر ''عمل'' کر کے ہی انسان اپنی دنیوی اور اخروی ضروریات کو پورا کر سکتے ہیں۔

بعثتِ انبیاءؑ اور ''حیاتِ طیّبہ''

یہ اللہ ربّ العزت کی رحمت اور رأفت کا نتیجہ ہے کہ اس نے انسان کو تنہا نہیں چھوڑا بلکہ اس کی رہنمائی کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور ان کے ذریعے سے انسانوں تک اپنی سماوی کتب بھی پہنچائیں۔ یہ سماوی کتب بھی سراسر رحمت اور انبیاء کی بعثت بھی سراسر رحمت۔ یہ بات یاد رہے کہ مالک کائنات پر رحمت و رأفت کا پہلو غالب ہے اور وہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان اور بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔ وہ ان کو دنیا میں بھی ''حیاتِ طیبہ'' عطا فرمانا چاہتا ہے اور آخرت میں بھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ''حیاتِ طیبہ'' کسے کہتے ہیں؟ ''حیاتِ طیبہ'' ایسی زندگی کو کہتے ہیں' جس میں چین ہی چین ہو' سکون ہی سکون ہو' آرام ہی آرام ہو' راحت ہی راحت ہو اور ساری کی ساری زندگی پاک اور طیب ہو۔ نہ ہی کوئی غم ہو اور نہ ہی کوئی حزن۔ یہ ہے مالک کائنات کا ''دستورِ حیات''۔ اب یہ انسان' اس کے مقابلے میں جتنے بھی ''دستورِ زندگی'' بنائے گا وہ ناقص اور نامکمل ہوں گے' اور اصل منزل مقصود یعنی اللہ کی رضا اور جنت کے حصول اور جہنم سے بچاؤ میں ناکام رہیں گے۔ کیونکہ انسانی سوچ و فکر میں کوئی نہ کوئی کمی اور نقص رہ جاتا ہے۔ اس لیے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں انسان ناکام رہتے ہیں اور ابدی زندگی کو برباد کر لیتے ہیں' بلکہ ان کا حال یہ ہوتا ہے:﴿خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ﴾(الحج:۱۱) گویا دنیا بھی برباد اور آخرت بھی۔

اب ہم دیکھتے ہیں جب سے کائنات وجود میں آئی ہے' اللہ ربّ العزت کی محبوب ترین مخلوق انبیاء کرام کا ''دین'' یا ''مذہب'' کیا رہا ہے؟ جب ہم قرآن مجید کو کھول کر دیکھتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ تمام انبیاءؑ

کی دعوت کے ''بول'' ایک جیسے ہی تھے۔ گویا سب انبیاء ورسل علیہم السلام نے لا الٰہ الا اللہ کی ہی دعوت دی۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں' کیونکہ جو پیدا کرنے والا ہے' رزق دینے والا ہے' حفاظت کرنے والا ہے اور دونوں جہان کا مالک ہے' اُسی کا حق ہے کہ اس کی ''بندگی'' کی جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک' ہر نبی کی دعوت کے ایک ہی بول تھے کہ اللہ کی طرف بلانا —— گویا اللہ کی ذات وصفات سے متعارف کرانا اور ان کے دیے ہوئے احکامات کی بجا آوری۔ گو طریقہ زندگی (قانونِ شریعت) ایک نبی کا دوسرے نبی سے قدرے مختلف رہا۔ کسی نبی اور اس امت کے لیے ایک چیز حلال کی گئی تو دوسرے نبی اور اس کی اُمت کے لیے حرام قرار دی گئی —— عبادات میں بھی کسی حد تک کمی بیشی ہوتی رہی۔ لیکن جہاں تک اعتقادات یعنی ایمانیات کا تعلق ہے' وہ سب کا ایک ہی رہا ہے —— ہر نبی کی دعوت کے اولین بول یہی ہوا کرتے تھے:

((یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا)) (۱)

''اے لوگو! ایک اللہ کی ہی عبادت کرو اور فلاح پاؤ۔''

نوعِ انسانی ایک وقت تک ''اُمتِ واحدہ'' ہی رہی —— لیکن جوں جوں ایمان میں کمزوری آتی گئی ایمان اور اعمال دونوں میں کمی واقع ہونا شروع ہوئی' حتیٰ کہ ایمان کے اعتبار سے لوگ شرک کرنے تک پہنچ گئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں شرک اور بت پرستی کا رواج عام تھا —— اور باوجود اس کے کہ حضرت نوحؑ نے تقریباً ساڑھے نو سو برس تک دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا' ایک نہایت ہی قلیل تعداد نے اس کلمے کو قبول کیا' جس پر دنیا وآخرت کی کامیابی کا دارومدار تھا۔ بالآخر حضرت نوحؑ نے اپنی نافرمان قوم کے بارے میں بددعا کی تو پھر پانی کا عذاب آیا اور سارے کے سارے نافرمان تباہ وبرباد ہو گئے۔ بچنے والوں میں صرف وہی تھے جو حضرت نوح علیہ السلام کی بنائی ہوئی کشتی میں سوار ہوئے۔

سماوی کتب میں تحریف وتبدیل

ایک وقت آیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دنیا میں رسول بنا کر مبعوث کیا گیا۔ انہیں ''تورات'' بھی عطا کی گئی۔ یہ سماوی کتاب تھی جو مختلف تختیوں پر درج تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سماوی کتاب تورات پر بھی بڑے ستم ٹوٹے۔ اس کے بھی حصے بخرے ہوئے۔ بار بار بخت نصر حملہ آور ہوتا رہا اور تورات کی تختیاں توڑ پھوڑ کر دریا میں بہاتا رہا' یہاں تک کہ ''تورات'' کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔ پھر بعد کے لوگوں نے اسے حافظے کی مدد سے لکھا اور یوں بہت کچھ خود ان کی اپنی طرف سے اس میں شامل ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سماوی کتاب ''انجیل'' کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ رہا۔ اس وقت ایک تو کرۂ ارض پر انجیل اپنی اصل زبان میں موجود ہی نہیں۔ انجیل کا ہر نیا ایڈیشن' پچھلے ایڈیشن سے کسی نہ کسی طور مختلف اور بدلا ہوا ملتا ہے۔ پھر یہ بات بھی بہت متعجب کر دینے والی ہے کہ انجیل کے نام سے' اس وقت چار ''منظور شدہ'' (canonical) کتابیں موجود ہیں۔ اللہ کی نازل کردہ انجیل تو ایک ہی تھی' مگر اب جو دستیاب ہیں وہ چار کیوں ہیں؟ ایک ''متی'' کی انجیل' ایک ''یوحنا'' کی انجیل' ایک ''لوقا'' کی انجیل اور

(۱) مسند احمد' ح ۱۵۴۴۸۔ راوی: ربیعہ بن عباد الدیلی

ایک ''مرقس'' کی انجیل ہے۔ دراصل یہ چار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے اصل انجیل کو اپنے طور پر جمع کر کے کتابی شکل میں لکھا۔ اب انجیل میں ان صاحبوں کی باتیں بھی داخل ہوگئی ہیں۔ جس طرح کسی نے کچھ دیکھا' ویسے ہی درج کر دیا۔ پھر ایک انجیل اور ہے ''انجیل برناباس''۔ یہ باقی چاروں سے مختلف ہے۔ تو اب کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ رب کی نازل کردہ ''انجیل'' ہے۔

قرآن مجید ان تمام حادثات سے محفوظ ہے اور اسے ان شاء اللہ تعالیٰ محفوظ ہی رہنا ہے' کیونکہ اس کی حفاظت خود اللہ ربّ العزت نے اپنے ذمہ لی ہے۔

رسولوں کی تکذیب کا انجام

پیشتر اس کے کہ ہم آگے بڑھیں' اتنا جان لینا ضروری ہے کہ ہر وہ قوم جس پر اللہ ربّ العزت کی طرف سے کوئی رسول مبعوث ہوا اور اس قوم نے اس رسول کو جھٹلایا تو پھر وہ اللہ ربّ العزت کے عذاب کی لپیٹ میں آئی اور صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دی گئی۔ ایک دو واقعات' عبرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ قومِ ثمود' جو عرب کے شمال مغرب میں قیام پذیر تھی' انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کو جھٹلایا اور ان پر سخت ٹھنڈک والی اور تند و تیز آندھی مسلط کر دی گئی اور پوری قوم ملیامیٹ ہوگئی۔ ایسے ہی قومِ عاد' جو عرب کے جنوب مشرق کی متمدّن ترین قوم تھی' توحید کے انکار کے بعد ان کا سب سے بڑا جرم قیامت اور آخرت کا انکار تھا' جس نے انہیں سرکش بنا دیا تھا' جس کی پاداش میں آخر کار انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ موجودہ زمانے کی مادہ پرست' بزعم خویش مہذّب قوموں کی سرکشی کا اصل سبب بھی قیامت اور جزا و سزا کا انکار ہے۔

عیسائیت میں عقیدۂ تثلیث

اس سے پیشتر ہم ذکر کر چکے ہیں کہ تمام انبیاء و رسلؑ کی دعوت الی اللہ کے ''بول'' ایک ہی طرح کے تھے' یعنی لا اِلٰہ اِلا اللہ (اللہ کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں!) گویا تمام انبیاء و رسلؑ کا دین ایک ہی رہا ہے —— اور وہ ہے ''اسلام''۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین (اسلام) کی بگڑی ہوئی صورت' اس وقت جو ہمارے سامنے ہے' وہ ''عیسائیت'' ہے' جس کا ''اسلام'' کے ساتھ کوئی تعلق نہیں جسے حضرت عیسیٰ نے بطورِ سماوی مذہب دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ''عیسائیت'' میں ہے کیا؟ ''عیسائیت'' نے سب سے پہلے ''عقیدۂ توحید'' کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور اللہ ربّ العزت کے ساتھ شرک کیا۔ ''توحیدِ الوہیت'' کی صفت صرف اللہ ربّ العزت کی ہے' کیونکہ وہ تنہا' اکیلا' احد ہے' اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں —— نہ ہی اس کا کوئی وزیر ہے اور نہ ہی مشیر —— وہ تن تنہا ساری کائنات کے کارخانے کو چلا رہا ہے اور قیامت آنے تک چلاتا رہے گا۔ پھر جب قیامت برپا کرے گا تو زمین و آسمان کی ساری کی ساری بساط لپیٹ دی جائے گی۔ پہاڑ' روئی کے گالوں کی طرح اڑیں گے' آسمان لپیٹ دیے جائیں گے' ستارے' آسمان سے جھڑ جائیں گے گویا بے نور ہو جائیں گے۔ سورج' چاند' زمین' سمندر' دریا' نباتات' جمادات' حیوانات' غرضیکہ ہر وہ چیز جو ہمیں نظر آتی ہے یا نظر نہیں آتی ہے اس کو ختم کر دیا جائے گا۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾﴾ (الرحمٰن)

گویا ہر چیز فنا کر دی جائے گی اور باقی صرف اللہ ربّ العزت کی ذات رہ جائے گی۔ جو قدیم ہے' ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا' اسے فنا نہیں' اسے بقا ہی بقا ہے۔

''عیسائیت میں عقیدۂ ''تثلیث'' نے عقیدۂ توحید کی جڑ کاٹ کے رکھ دی ہے۔ جس سماوی مذہب میں توحید کا عقیدہ نہیں وہ بھلا ''اسلام'' کیسا؟ ''عیسائیت'' میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو' اللہ ربّ العزت کا ''بیٹا'' قرار دیا گیا' حالانکہ اللہ ربّ العزت ان سب صفات سے پاک ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ قرآن مجید کی سورۃ الاخلاص اس بات پر واضح اور ٹھوس دلیل پیش کرتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام قرآن پاک میں عیسیٰ بن مریم بار بار آیا ہے۔ تو بھلا کسی عورت کے بطن سے پیدا ہونے والا ''الٰہ'' یا ''اللہ'' کیسے ہو سکتا ہے! جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ''عیسائیت'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب ''اسلام'' کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ عیسائیت وہ طریقہ ہے جس نے مذہب کو چرچ کے اندر بند کیا اور دنیوی معاملات کو ''غیر خدا'' کے حوالے کیا' جس کا فطری نتیجہ ''مادہ پرستی'' کا جنم لینا تھا۔ اسی سے سرمایہ داری نظام (Capitalism) وجود میں آیا۔

''جمہوریت'' بندوں کی غلامی کا دوسرا نام

اسی سرمایہ دارانہ نظام کی بدولت ''مغربی جمہوریت'' (Western Democracy) نے جنم لیا' جس میں ہر کس و ناکس کو شریکِ حکومت کرنے کا ڈھونگ رچایا گیا۔ ایک نظر ''جمہوریت'' کی تعریف پر ڈالتے ہیں:

"Government of the people for the people and by the people"

اس میں سارا ذکر ہی عوام کی حاکمیت کا ہے' حالانکہ حاکمیت عوام کی نہیں بلکہ اس خالق کائنات اور مالک کائنات کی ہے جس کا نہ صرف زمین و آسمان پر' بلکہ پوری کی پوری کائنات کی ساری کی ساری مخلوقات پر تصرف ہے اور وہ اس کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ!

اُس کے ''ارادہ'' کا نام وجود ہے۔ جب وہ کسی ''امر'' کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ''کُن'' ہو جا اور ''فیکون'' پس وہ ہو جاتی ہے۔ انبیاء کرامؑ اللہ ربّ العزت کی ذات اور صفات کا تعارف ہی اسی بات کا کراتے ہیں کہ ایک اللہ کو مانو' اور ایک اللہ ہی کی مانو اور حاکمیت صرف اور صرف ''اللہ'' ہی کی ہے۔ انبیاء کرامؑ کا کام یہی تھا کہ ''بندوں کو بندوں کی غلامی سے نجات دلائیں'' بلکہ بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لائیں۔ یہ تھا انبیاء کی بعثت کا مقصد۔ ہم نے ''جمہوریت'' کے ذریعے بندوں کو بندوں کا غلام بنا دیا۔ اس کا متبادل جو اسلام نے پیش کیا ہے' اس کی تفصیلات پر آگے بات کریں گے۔ اس وقت صرف اتنا بتانا مناسب سمجھتا ہوں کہ خاتم الانبیاء حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے بعد انبیاء و رسل کا سلسلہ بند کر دیا گیا' کیونکہ وہ ''دین اسلام'' جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا' اس کی تکمیل حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر ہوئی۔ اللہ ربّ العزت نے اس بات کا اعلان فرمایا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدۃ:۳)

''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا ہے اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند فرما لیا ہے۔''

دین اسلام میں زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا گیا جس میں واضح ہدایات اور احکام موجود نہ ہوں۔ انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک اور انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک (جس میں سماجی' معاشرتی' معاشی' سیاسی معاملات' عبادات' ایمانیات' اعتقادات' حتیٰ کہ کھانے پینے' سونے جاگنے' اٹھنے بیٹھنے' کاروبار کرنے) ہر بات کو کھول کھول کر' قیامت تک آنے والی امت کے لیے تعلیم اور رہنمائی فرمائی۔

دنیا کے تین بڑے نظام ہائے زندگی

اس وقت ذرا دنیا کے نظام ہائے زندگی پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔ پوری دنیا میں تین بڑے نظام ہائے زندگی پیش کیے گئے: (۱) سرمایہ دارانہ نظام' (۲) سوشلزم (اشتراکیت)' اور (۳) اسلام۔ دنیا میں بسنے والے انسانوں کی آبادی کا جائزہ لیں تو دنیا کی کل آبادی جو تقریباً سات ارب کے لگ بھگ بنتی ہے' اس میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ ارب کے قریب ہے۔ ساری کی ساری دنیا کے ممالک اول الذکر دو نظام ہائے زندگی کو اختیار کیے ہوئے ہیں اور تیسرا نظام زندگی' اس وقت زمین پر کہیں نظر نہیں آتا۔ ان میں پہلا نظامِ زندگی جس کا دنیا میں راج ہے اسے سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کہتے ہیں۔ یہ انسانی ذہن کی تخلیق ہے۔ اپنی گوناگوں خرابیوں سمیت دنیا کی کثیر آبادی اور ممالک کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔

''سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی'' سے ''مادہ پرستی'' کو عروج ملا' جس کے نتیجہ میں ''ہوس پرستی'' اور ''جاہ پرستی'' کی طلب میں' تمام مادی وسائل بروئے کار لائے جانے لگے۔ نتیجتاً حرام' حلال کی تمیز مٹ گئی —— اور سودی کاروبار یعنی روایتی بینکنگ نے سرمایہ کاری کو ایک نیا رخ دیا' جس سے مادہ پرستی کی دوڑ میں پوری انسانیت شب و روز اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لا رہی ہے —— گویا مادہ سے مادہ کا حصول اور پھر اس کے ذریعے زندگی کی سہولیات کا حصول پوری انسانیت کی زندگی کا نظریہ بن گیا' جس نے پوری انسانیت کو تباہی و بربادی کے دھانے پر لا کھڑا کیا۔

دوسرا نظام زندگی اشتراکیت (Socialism یا Communism) ہے' جس کے بانی کارل مارکس اور لینن تھے۔ یہ بھی انسانی ذہن کی تخلیق ہے —— جو اپنی موت خود مر رہا ہے۔

تیسرا نظام زندگی جسے ہم ''اسلام'' کے اندر پاتے ہیں اور اس کی عملی صورت' سیرت النبی ﷺ اور سیرتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہمیں نظر آتی ہے۔ گو اس وقت پوری دنیا میں یہ نظام عملی شکل میں موجود نہیں ہے' تاہم یہ نظامِ زندگی آفاقی ہے اور کسی انسانی ذہن کی تخلیق نہیں ہے' بلکہ مالکِ کائنات کا عطا کردہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ''صفتِ بدیع''

اس ''خالق کائنات'' کی ایک صفت ''بدیع'' بھی ہے' جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے: ﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ (الانعام: ۱۰۱) یعنی تمام آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا۔

اب ''بَدِیْع'' کے لفظ کی تھوڑی سی تشریح کیے دیتے ہیں تاکہ بات زیادہ واضح ہو جائے۔ ''بدیع'' وہ ہستی ہے جو اس چیز کو وجود بخشے جس کا پہلے سے نہ تو کوئی وجود ہو اور نہ ہی اس کا کوئی نقشہ ہو۔ گویا پہلے بالکل معدوم ہو اور کہیں نظر نہ آتی ہو۔ خالق کائنات نے اس کائنات کو جو وجود بخشا ہے وہ عبث نہیں بلکہ کائنات میں پیدا شدہ ہر شے کا ایک مقصد ہے۔ وہ مقصد تخلیق کیا ہے' یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ادراک ضروری ہے۔ جیسا کہ اللہ کے نبی ﷺ کے خطبات میں سے یہ جملہ بھی روایت ہوا ہے: ((فَاِنَّ الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَاَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃِ))(۱) یعنی یہ دنیا کا ساز و سامان اور مال و متاع تمہاری خدمت میں لگا دیا گیا ہے اور تم آخرت (یعنی اللہ کی بندگی کر کے جنت کے حصول) کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔ اس کی مثال یوں سمجھئے: سورج اپنے وقت پر صبح مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب کے وقت غروب ہوتا ہے۔ آج سے ہزار ہا برس پہلے' آج کی تاریخ کو' جس وقت سورج طلوع ہوا تھا' آج بھی اسی وقت طلوع ہوا اور آج ہی کی تاریخ میں' مغرب کے وقت' ہزار ہا برس پہلے' جب غروب ہوا تھا' اسی وقت غروب ہوگا۔ اس میں لمحہ بھر کی دیر سویر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دن کے وقت ساری مخلوق اس کی روشنی سے فائدہ اٹھاتی ہے اور اپنے کام کاج میں مصروف ہو جاتی ہے اور شام کے بعد آرام کرتی ہے۔ انسان اپنے گھروں میں' پرندے اپنے گھونسلوں میں' چیونٹیاں اپنے بلوں میں۔ گویا اس ہستی نے دن کو بنایا کام کے لیے اور رات کو بنایا آرام کے لیے۔ انسان جو فصلیں بوتا ہے' وہ اسی سورج کی گرمی سے پکتی ہیں' اور مخلوق کی زیست کا سامان مہیا ہوتا ہے۔ اسی طرح چاند اپنے کام میں مگن ہے۔ اس کی چاندنی سے پھلوں کے رس پک کر شیریں اور میٹھے ہو جاتے ہیں۔ زمین غلے کے ڈھیر اگلتی ہے اور پہاڑوں سے ہیرے' جواہرات اور قیمتی دھاتیں دستیاب ہوتی ہیں۔

سمندر کی اپنی ایک دنیا ہے' جس میں بے شمار مخلوق اپنی زیست کا سامان لیے ہوئے ہے اور انسان کی خوراک کے لیے اور دیگر قیمتی چیزیں اس سے میسر ہوتی ہیں۔ اب اسی ہستی کا ایک کمال یہ دیکھیں کہ جس چیز کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے' اسے وافر مقدار میں پیدا کرتی ہے۔ مثلاً پانی پر ہی زندگی کا انحصار ہے۔ انسان' نباتات' حیوانات چرند و پرند' سب اس کا استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے پوری دنیا میں پانی کے تین حصے پیدا کیے اور خشکی کا ایک حصہ رکھا۔ اس طرح اس ہستی نے ''پانی کا نظام'' قائم کیا۔ اسی طرح ہوا کو لیجیے۔ ہوا کے بغیر بھی زندگی محال اور دشوار ہے۔ ہوا ایک ایسی نعمت ہے جو اس ہستی نے پیدا کی ہے۔ اس کی یہ خصوصیت ہے کہ اسے دیکھا تو نہیں جا سکتا لیکن محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے اس ہستی نے ''ہواؤں کا نظام'' بنایا ہے۔ اندازہ کے مطابق جتنی ہوا کی مخلوق کو ضرورت ہوتی ہے' اتنی ہی ہوا وہ اپنے ''ہوا کے خزانوں'' سے بھیج دیتا ہے۔ ضرورت سے زیادہ ''ہوا'' اگر وہ ہستی بھیج دے تو دنیا کی ساری مخلوق تباہ و برباد ہو کر رہ جائے۔ جیسے ہم قرآن پاک میں دیکھتے ہیں قوم ''عاد'' پر جب اس ہستی نے عذاب بھیجنے کا فیصلہ کیا تو ''ہواؤں کے نظام'' کو حرکت میں آنے کا حکم دیا' تو وہ اتنی زیادہ مقدار میں اور اتنی تیز چلی کہ تمام کی تمام مخلوق ڈھیر ہو کے رہ گئی۔ اس ہستی کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ

---

(۱) تخریج الاحیاء للعراقی: ۲۵۲/۳

اس کے ارادہ کا نام وجود ہے۔ وہ کہتا ہے: ''ہو جا'' (کُنْ) تو وہ ہو جاتا ہے'' (فَیَکُوْنُ)۔ ایسا ممکن نہیں کہ یہ ہستی تمام مخلوق کو ''امر''، یعنی حکم دے کہ میرے حکم پر عمل کرو اور وہ عمل نہ کریں۔ تمام ''تکوینی امور'' جن میں زمین' آسمان' فرشتے' سورج' چاند' ستارے' پہاڑ' بارشوں کا نظام' ہواؤں کا نظام' فرشتوں کا نظام وغیرہ شامل ہیں اللہ کے ''امر'' سے سرمو انحراف نہیں کرتے۔ اور نہ ہی ایسا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

جُدا ہو دیں سیاست سے.....

ہم نے شروع میں بات کی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین (اسلام) کی بگڑی ہوی شکل ''عیسائیت'' ہے۔ کس طرح کلیسا نے مذہب کو الگ کیا اور سیاست کو الگ۔ ''مذہب'' کو انہوں نے چرچ کے اندر بند کر دیا اور ''سیاست'' کو چرچ سے باہر نکال لیا۔ گویا مذہب کا سیاست سے تعلق منقطع کر دیا —— مذہب بھی آزاد اور سیاست بھی آزاد۔

چنانچہ ''چرچ'' سے باہر زندگی کے تمام معاملات بشمول معاشرت' معیشت' سیاست' گویا زندگی کے ہر شعبہ کے بارے میں ''انسانی عقل'' استعمال ہوئی' جس کے نتیجہ میں ایک ''نظریہ زندگی'' وضع کیا گیا' جس کا دین اسلام' جو (عیسیٰ علیہ السلام) لائے تھے' اس کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہ رہا۔ یقیناً نظریہ زندگی ہی تو پوری زیست کو کنٹرول کرتا ہے اور اس کے لیے نئی نئی راہیں تجویز کرتا ہے۔ بالفاظِ دیگر نظریہ ہی زندگی کو چلانے (regulate کرنے) میں ایک مرکزی اور بنیادی کردار (pivotal role) ادا کرتا ہے۔ جس طرح جسم میں ''دل و دماغ'' جسم کے تمام اعضاء کو کنٹرول کرتے ہیں' اسی طرح نظریۂ زندگی ہر ہر بات میں رہنمائی مہیا کرتا ہے —— اس صورت حال کے نتیجہ میں عیسائیت گویا چرچ کے اندر عبادت یا پوجا پاٹ کی حد تک محدود ہو کر رہ گئی اور انہوں نے اسی کو ''مذہب'' سمجھا جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین ''اسلام'' کی نفی ہے —— اور یہ اس نظریہ سے سراسر انحراف ہے جو انبیاء کرامؑ انسانیت کے لیے لائے۔

نوعِ انساں را پیامِ آخریں

قرآن حکیم کے نزول کے بعد اب مزید ''سماوی کتب'' کی تنزیل کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ ''الہدیٰ'' اور ''الکتاب'' یعنی قرآن مجید' اللہ کی آخری ''سماوی کتاب'' صحیح اور مکمل شکل میں موجود اور محفوظ ہے۔ اس کتابِ ہدایت کی حفاظت قیامت تک' اللہ ربّ العزت نے' اپنے ذمہ لی۔ اس کے علاوہ کسی اور نبی کی ضرورت اس لیے نہ رہی کہ وہ کام جو اللہ رب العزت انسانیت کے ذمہ اپنے انبیاء کے ذریعہ سے لگانا چاہتے تھے وہ کام محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''خاتم النبیین'' ہونے کے باعث' ان پر ہی مکمل فرمایا اور ان کے احکامات اور ہدایات کو قیامت تک کے لیے جاری فرمایا اور آپؐ نے اس مشن کو اپنی اُمت کے سپرد فرمایا۔

گویا یہ بات طے ہو چکی کہ انسانیت کی نجات اللہ رب العزت کے آخری پیغام میں ہی ہے۔ اسی کو بطور ''نظامِ زندگی'' اپنا کر دُنیوی اور اُخروی کامیابی کا حصول ممکن ہے۔ اس وقت پوری انسانیت کو سرمایہ دارانہ نظام اور انسانی ذہن کے تخلیق کردہ دیگر نظاموں سے نجات دلانے کے لیے کس طرح از سرِ نو ''اجتماعی زندگی'' کی

شروعات کی جائیں؟ یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے —— ساری دنیا کے انسان جس رُخ پر چل رہے ہیں اور اس پر بڑی تیزی کے ساتھ گامزن ہیں‘ اسی کا چرچا کیا جاتا ہے اور اسی پر عمل پیرا بھی ہوا جاتا ہے —— حتیٰ کہ صحیح رخ کی ’’سوچ کے انداز‘‘ جس سے کوئی مثبت رویوں میں تبدیلی ممکن ہو سکے‘ کہیں نظر نہیں آتے —— یہ سب سے بڑا لمحہ فکریہ ہے۔ اسی ’’دلدل‘‘ کے اندر رہتے ہوئے محنت‘ کوشش‘ سعی اور اپنی صلاحیتیں لگانا‘ اپنے مال و جان اور وقت کو صرف کرنا بالکل عبث اور بے کار ثابت ہوگا۔

سود کی شناعت

پوری انسانیت اور خاص طور پر ’’مسلم اُمّہ‘‘ کے اندر‘ اس احساس کو اجاگر کرنا ہوگا کہ ہماری تباہی و بربادی کی وجہ مغربی افکار‘ مغربی طرزِ حیات‘ مغربی جمہوریت اور مغرب کا دیا ہوا سرمایہ داری نظام ہے۔ اسی نظام کے تحت ’’بینکنگ سسٹم‘‘ اور ’’سود‘‘ نے رواج پایا ہے‘ جو پوری انسانیت کو اپنی مضبوط گرفت میں لیے ہوئے ہے۔

سود کو ہی لے لیجیے‘ سود کے بارے میں قرآن و حدیث میں بے شمار وعیدیں ہیں جو کہ دل و جان کو ہلا دینے والی ہیں۔ مثلاً قرآن حکیم میں سودی نظام کو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کھلی جنگ قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کھلی جنگ کا مطلب ابدی ناکامی کے سوا اور کیا ہوگا؟ ایک حدیث میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں:

((اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ حُوْبًا‘ اَیْسَرُھَا اَنْ یَنْکِحَ الرَّجُلُ اُمَّہٗ)) (۱)

’’سود کے گناہ کے ستر حصے ہیں۔ ان میں سے ہلکا ترین یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں کے ساتھ نکاح کر لے۔‘‘

اب ہم جائیں تو جائیں کہاں؟ ہماری نجات کی ہے کوئی صورت؟ یہ سود نہ صرف قوموں کی بلکہ افراد کی اقتصادی تباہی (economic break down) کا باعث بھی ہے۔ جہاں بھی اللہ کے ’’امر‘‘ کی نافرمانی ہوگی‘ اس کا بالآخر نتیجہ یہی ہوگا۔ اکثر اوقات افراد کا دماغی بلکہ اعصابی توڑ پھوڑ (nervous break down) بھی ہوتا ہے۔ اللہ کی نافرمانی کو دیکھ کر‘ شیطان اپنی من مانی کارروائیاں کرتا ہے اور کھل کھیلتا ہے۔ یہ بات انتہائی توجہ طلب ہے کہ اسی سود کی ترقی کے لیے تمام وسائل ابلاغ‘ ٹی وی‘ ریڈیو‘ اخبارات‘ رسائل و جرائد وغیرہ دن رات اسی کی مہم جوئی میں مصروف ہیں اور اسی کے ذریعے فحاشی‘ عریانی اور دیگر منکرات کو فروغ دیتے ہیں‘ جو اللہ ربّ العزت کی ناراضی کا باعث ہیں۔

سود در سود‘ قوموں کو دیمک کی طرح اس انداز میں کھوکھلا کرتا ہے کہ پوری قوم کو محسوس تک نہیں ہوتا اور وہ قوم معاشی اور اقتصادی طور پر بالکل اپاہج اور فالج زدہ ہو جاتی ہے۔ نتیجتاً پوری قوم اپنی موت خود بخود مر جاتی ہے —— سود کے شیطانی چکر سے صرف ’’اسلام‘‘ ہی نجات دے سکتا ہے۔ ’’اسلام‘‘ نے ایک ایسا ’’اقتصادی نظام‘‘ عطا فرمایا ہے جس میں سود کی نفی اور تجارت کو فروغ دینے کی ترغیب ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ﴾ (البقرۃ:۲۷۵) ’’اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے‘‘۔ وہ برکت‘ وہ رحمت‘ وہ بڑھوتری‘ جو اللہ ربّ العزت نے تجارت میں رکھی ہے‘ اس سے فرد یا قوم محروم رہتی ہے۔ اور یہی محرومی فرد اور

(۱) سنن ابن ماجہ‘ کتاب التجارات‘ باب التغلیظ فی الربا۔

قوم کی ناکامی کا باعث بنتی ہے۔ مادہ پرستی اور مغربی جمہوریت انسانیت کو ایسے خوبصورت دھوکہ میں ڈالا ہے کہ اس کے علاوہ انسانیت کو اور کوئی نظام ''خوبصورت'' نظر آتا ہی نہیں —— مادہ پرستی یعنی مال کی ہوس' جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''میری امت کا فتنہ مال ہے''۔ ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اس سے پیار کرتے ہیں' اسی کو حاصل کرنے کے لیے اپنے شب و روز اور اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ مال ہوگا تو چیزوں کا حصول ممکن ہوگا۔ چیزیں ہوں گی تو زندگی کی آسانیاں میسر ہوں گی۔ اس لیے ہم بھی غیر مسلموں کی طرح مال و دولت ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانے کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں' اور اس مادہ پرستی کی دوڑ جس میں غیر مسلم مصروفِ عمل ہیں' ہم بھی اس دوڑ میں شامل ہونے کے لیے' بڑی سرعت کے ساتھ' ان سے بھی آگے بڑھنے کے لیے کوشاں ہیں۔

اسلام' ایک مکمل ضابطۂ حیات

''مالک کائنات'' نے اپنے انبیاء و رسل علیہم السلام کے ذریعے' ہماری دنیا و آخرت کی ضروریات پورا کرنے کا ضابطۂ حیات (code of life) عطا فرمایا ہے' جس میں مہد سے لحد تک یعنی پنگھوڑے سے لے کر قبر تک کی زندگی کے مختلف ادوار کے لیے بھرپور راہنمائی موجود ہے' جس میں بچپن' لڑکپن' جوانی' بڑھاپا' انسانی تعلقات' رشتوں کی پہچان' پڑوسیوں کے حقوق' والدین کے حقوق' اولاد کے فرائض' انفرادی زندگی' اجتماعی زندگی جس میں اقتصادی نظام' معاشرتی زندگی' سیاسی نظام' سماجی نظام غرضیکہ کوئی ایسا شعبۂ زندگی نہیں جس کے بارے میں مکمل طور پر رہنمائی ہمارے سامنے موجود نہ ہو۔ اس طریقۂ زندگی کی مکمل ترین صورت (final version) نبی آخر الزماں ﷺ کو دے کر مبعوث فرمایا گیا۔

یہی ضابطۂ حیات رہتی دنیا تک بلکہ قیامت سے قبل آخری انسان کی آمد تک جاری و ساری رہے گا اور اسی سے رہنمائی حاصل کر کے' دنیا و آخرت کے معاملات کو طے کیا جائے گا —— یہ ہے ''مالک کائنات'' کا تحفہ! ''دین اسلام'' یا ''اسلامی طرزِ زندگی'' یا ''اسلامی نظریہ حیات'' سماوی ہے' کسی انسانی سوچ کا نتیجہ نہیں —— یہ اُس ہستی کا دیا ہوا نظام ہے جس ہستی نے پورے کے پورے نظامِ کائنات کو وجود بخشا۔ اور جس کے ''ارادہ'' کا نام وجود ہے۔ جب کسی چیز کے ہونے کا ''امر'' کرتا ہے تو کہتا ہے ''ہو جا'' اور وہ ہو جاتی ہے۔ یہ ہے اس ہستی کا تصرف' جس کے ہاں ساری انسانیت قیامت کے دن جواب دہ ہے۔

آیئے اس بات کا عہد کریں کہ ہم ساری ''انسانیت'' تک اس ''سماوی'' پیغام کو پہنچا کر رہیں گے جسے ''اسلام'' کہتے ہیں اور جو تمام انبیاء کی محنت کا میدان تھا اور جس میں ان تمام سچائیوں اور ثمرات کا ذکر ہے جو ہماری ہی دنیا و آخرت کی بھلائی کے لیے ضروری ہیں' چنانچہ ہم خود اس پر عمل کرتے ہوئے اسے پوری انسانیت تک پہنچانے اور ان ابدی سچائیوں کے پیغام پر عمل کی دعوت دینے کا عزم اور ارادہ کریں۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہر کام کی ابتدا ہمیشہ سوچ' فکر اور ارادہ سے ہوتی ہے۔ آج ہم ارادہ کریں' خود عمل کریں' پھر دوسرے لوگوں کو دعوت دیتے ہوئے دلائل کے ساتھ قائل کرنے کی سعی و کوشش کریں —— حتیٰ

کہ ہم سب کی ساری کی ساری زندگی اسی محنت اور اس کے نتائج کے حصول کے لیے کھپ جائے تو یہ کسی سعادت سے کم نہیں۔ اور اللہ ربّ العزت سے امید ہے کہ آخرت میں ان شاء اللہ تعالیٰ ''سعید'' لوگوں میں ہمارا حشر ہو گا۔ پھر جنت ہوگی اور ہم ہوں گے۔ اللہ رب العزت کا دیدار ہوگا' جس سے بڑی کوئی اور نعمت نہیں ہوگی' اور سب سے بڑی خوشخبری یہ کہ اللہ ربّ العزت اعلان فرمائیں گے کہ میں جنتیوں سے راضی ہوں اور کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ اللہ رب العزت تمام مسلمانوں کو اس نعمت عظمیٰ کے حصول کے لیے محنت و مشقت اور جہد و کوشش کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ہدایت کی راہیں سعی و عمل سے کھلتی ہیں

انسان جس بات کے لیے جدوجہد کرتا ہے اور سعی و عمل اختیار کرتا ہے' اسی قدر اللہ ربّ العزت اس کی قبولیت اپنے فضل و کرم سے فرماتے ہیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۝۶۹﴾ (العنکبوت)

''اور جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کریں گے ہم لازماً ان کی راہنمائی کریں گے اپنے راستوں کی طرف۔ اور یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

اللہ رب العزت یقیناً ''محسنین'' کی قدر کرنے والے ہیں اور ان کے لیے ہر آن ہر گھڑی مدد و نصرت کا بندوبست کرتے ہیں۔ جو بھی شخص اللہ کے راستے میں جدوجہد کرتا ہے' اللہ رب العزت اس کے لیے ہدایت کی راہیں کھول دیتے ہیں۔

یہ اللہ کا قانون ہے اور اللہ کا ہر قانون فطرت کے مطابق ہے۔ حتیٰ کہ ایک بچہ کی پیدائش بھی ''فطرت'' پر ہوتی ہے اور فطرت ہمیشہ صحیح رخ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہر ''بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے'' یعنی مسلمان۔ اسے اس کے ماں باپ یہودی یا عیسائی یا مشرک یا کافر بنا دیتے ہیں۔ کیونکہ ماحول افراد کی نفسیات' پرورش' سوچ و فکر پر اثر انداز ہوتا ہے اور فرد تاثر لیے بغیر رہتا نہیں۔ جیسا ماحول ہوگا ویسے ہی افراد تیار ہوں گے اور ویسا ہی معاشرہ معرضِ وجود میں آئے گا۔ ماحول اچھا اور صالح ہے تو معاشرہ کے افراد بھی اچھے اور صالح' ماحول برا اور پراگندہ ہے تو معاشرہ کے افراد بھی برے اور پراگندہ ہوں گے۔ کفر و شرک کے ماحول میں پیدا ہونے والے بچے کا کفر و شرک میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہوتا ہے' اِلا یہ کہ فطرتِ سلیمہ اس کی رہنمائی کرے اور وہ کفر و شرک سے بچ کر سلامتی کی راہ یعنی اسلام کو اختیار کر لے۔ جب اسے معلوم ہوگا: اَسْلِمْ تَسْلِمْ یعنی ''اسلام قبول کر' سلامتی میں آ جا''۔ تو یہ شعوری ایمان ہوگا جو مسلمان معاشرے میں پیدا ہونے والے بچے کو بچپن سے ہی اپنے والدین' گھر اور ماحول سے میسر ہوتا ہے۔

قرآن مجید اور ہماری ذمہ داری

تورات اور انجیل کے بارے میں قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ وہ اپنی اصل صورت میں دنیا میں باقی نہیں ہیں۔ دنیا میں صرف ایک ہی ''سماوی کتاب'' جسے قرآن مجید کہتے ہیں اور جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی' اپنی

اصل‘ محفوظ شکل میں موجود ہے‘ کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ خود بھی اس ’’کتابِ زندہ‘‘ سے رہنمائی حاصل کرتے اور پوری انسانیت کو بھی اس کی تعلیمات سے روشناس کراتے۔ لیکن ہوا یہ کہ مسلمانوں کے اپنے اندر ایمان کی کمزوری اور عمل کی کمی کی وجہ سے‘ وہ آفاقی احکام‘ جو قرآن مجید کے ذریعے ہم کو پہنچے ان پر عمل ہونا کم ہوتا گیا جبکہ ’’ایمان اور عمل‘‘ دونوں کی ایک ’’رسمی شکل‘‘ زندہ رہی اور ان کی ’’روحانی شکل‘‘ مفقود ہوتی چلی گئی۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ ایمان کی کمزوری کے باعث سب سے پہلے نماز میں سے خشوع اٹھا لیا جائے گا۔ یہ بات صرف نماز کے خشوع کے اٹھائے جانے تک ختم نہیں ہوتی‘ بلکہ ایمان کی کمزوری کی بنا پر‘ جتنے بھی نیک اعمال ہیں وہ خالصتاً دکھاوے کے لیے رہ جائیں گے اور ان کی اصل روح یعنی تقویٰ ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ رب العزت کو قربانی (جانور) میں سے بھی گوشت پوست تو نہیں پہنچتا بلکہ صرف اور صرف ’’تقویٰ‘‘ پہنچتا ہے۔

مغربی جمہوریت کی حقیقت

جمہوریت کی تعریف‘ ہم نے پہلے بھی عرض کی ہے کہ ایسی حکومت‘ جس میں بندوں کی حکومت‘ بندوں پر ہوتی ہے۔ گویا بندوں کو ’’بندوں کی غلامی‘‘ میں دینے کا نام جمہوریت ہے۔ اس میں بندوں کے استحصال کرنے کی کوئی صورت نہیں بچتی۔ بندوں کو ’’بندوں کی قید‘‘ میں ڈالنا‘ جن میں اچھے و برے‘ نیک و بد‘ عالم و جاہل‘ ذی عقل و بے عقل کے حق رائے دہی میں کوئی فرق نہیں۔ یہ نعرۂ جمہوریت دیکھنے میں بڑا اچھا لگتا ہے اور یہ خوبصورت دھوکہ ہے‘ جس میں بدکردار‘ باکردار‘ گدھے گھوڑے‘ عالم و جاہل‘ ان پڑھ اور پڑھے لکھے کی کوئی تمیز نہیں۔ بات یہاں تک ختم نہیں ہوتی بلکہ اس کے طریقہ انتخاب پر بھی ایک نظر ڈالیں تو اس کی خرابیاں خوب عیاں ہوں گی۔ بقول اقبال ؎

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے!

اور فارسی میں کیا خوب فرمایا ہے ؎

گریز از طرزِ جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید!

یعنی جمہوری نظام سے بچتے رہنا اور کسی پختہ کار کی غلامی اختیار کرنا۔ اس لیے کہ دو سو گدھوں کے دماغ جمع ہو کر بھی ایک انسان کی سوچ پیدا نہیں کر سکتے۔ ان اشعار سے بہت حد تک جمہوریت کی قلعی کھل جاتی ہے۔ اب ذرا اس کے چناؤ کے طریقہ پر نظر ڈالتے ہیں۔ ایک حلقہ انتخاب میں دو امیدوار کھڑے ہوتے ہیں‘ ایک امیدوار کو مثلاً سو (۱۰۰) ووٹوں میں سے اکیاون (۵۱) ووٹ ملتے ہیں اور دوسرے امیدوار کو سو (۱۰۰) ووٹوں میں سے انچاس (۴۹) ووٹ ملتے ہیں تو سو میں سے اکیاون ووٹ لینے والا امیدوار کامیاب قرار دیا جائے گا اور تمام امور کو نمٹانے کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا‘ حالانکہ وہ کامیاب امیدوار سو ووٹروں کا نمائندہ نہیں ہے‘ کیونکہ انچاس (۴۹) ووٹروں نے تو اسے اپنا امیدوار منتخب ہی نہیں کیا‘ تو یہ کیسی جمہوریت ہے؟

اس کے علاوہ جمہوریت کی خامیوں پر ایک نظر دوڑائیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں جہاں یہ سسٹم موجود ہے وہاں انسان' انسان کا دشمن ہے۔ ایک انسان دوسرے انسان کے خلاف سوچتا ہے۔ اس سسٹم کے ذریعے انسانوں کی آپس میں تفریق پیدا ہوتی ہے' لڑائیاں ہوتی ہیں' جھگڑے ہوتے ہیں' فساد برپا ہوتے ہیں' باہمی شکر رنجی' نااتفاقی' قتل وغارت' معاشرتی بگاڑ' معاشی ناہمواری' مذہبی منافرت کے علاوہ جمہوریت کی بدولت سیاسی زندگی اور معاشرتی زندگی کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ سوائے نفرتوں' سیاسی دھڑابندیوں' سیاسی طور پر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے' ایک دوسرے کی تضحیک اور خواہ مخواہ کی بہتان تراشی اور الزام تراشی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

مغربی جمہوریت بمقابلہ اسلامی نظام

یہ ہے ''مغربی جمہوریت'' کی کھلی حقیقت' جو کہ ''اسلامی نظام زندگی'' کی کھلی ضد ہے۔ اس کے مقابلے میں ''اسلامی نظام زندگی'' میں سیاست کے حوالے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ مشاورت یعنی مشورے سے معاملات کا طے کرنا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ﴾ (آل عمران:۱۵۹) ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ معاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہیں۔'' ایک اور جگہ ارشاد ہے: ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠﴾ (الشوریٰ:۳۸) ''اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔''

یہ نظام ہم نبی اکرم ﷺ کی ریاستِ مدینہ میں بھی دیکھتے ہیں کہ آپؐ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین کا طرزِ سیاست بھی یہی رہا ہے۔ جیسے حضور اکرم ﷺ اپنے صحابہؓ سے مشاورت فرمایا کرتے تھے ایسے ہی خلفائے راشدین کے دَور میں مشاورت کا عمل جاری وساری رہا۔ ہر کام کرنے سے پہلے آپس میں مشاورت سے کام لیا جاتا تھا۔ مشاورت کے نتیجہ کے طور پر آپس میں خود اعتمادی' باہمی عزت واحترام' پیار ومحبت' شفقت ومودت' ایثار وقربانی اور رحمت ورأفت جیسے فضائل پیدا ہوئے۔ مشاورت سے تفریق' نفاق' بگاڑ کی جگہ اتفاق اور محبت و یگانگت کو وجود ملتا ہے۔ کیونکہ اسلام تو امن کا دین ہے اور امن کا ہی داعی ہے اور امن کو پوری دنیا میں قائم کرنے کے لیے آیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ اَسْلِمْ تَسْلِمْ ''اسلام قبول کر اور سلامتی حاصل کر!''

آج بھی اسلامی ریاست کے تحت سیاسی نظام کی بنیادیں اسلام کے اصولوں پر استوار کی جائیں تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ تمام انسانیت امن کا گہوارہ نہ بنے۔ یہ ایک تسلیم شدہ' ٹھوس حقیقت ہے کہ اسلام اور صرف اسلام امن وسلامتی کی ضمانت دیتا ہے۔ باقی تمام ادیان ومذاہب کا ہم کسی حد تک جائزہ لے چکے ہیں کہ وہ اپنی اصل حالت میں موجود ہی نہیں' ان میں مکمل تحریف ہو چکی ہے۔ وہ اس قابل ہی نہیں کہ تمام انسانیت کو امن وسلامتی دے سکیں' کیونکہ ''روحِ اسلام'' جو تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کی مشترکہ دعوت تھی وہی اس میں سے غائب ہے۔

اسلام کا نظامِ معیشت

مغرب کا دیا ہوا دوسرا تحفہ ''سرمایہ دارانہ نظام'' ہے جس میں دولت کا ارتکاز ہے اور اس میں وسائل دولت کو مزید وسائل دولت پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں ''اسلامی نظام زندگی'' ہماری کس طرح رہنمائی کرتا ہے؟ اسلام کے نظامِ اقتصادیات میں دولت کے کمانے پر

کوئی پابندی نہیں' جتنی چاہے دولت کماتے چلے جائیے' البتہ پابندی صرف اس بات کی ہے کہ دولت کمانے کے طریقے ایسے ہوں جو معروف ہوں' یعنی حلال طریقوں سے جتنی چاہے دولت اکٹھی کریں' لیکن اللہ ربّ العزت نے آپ کی کمائی ہوئی دولت کے اندر ان مستحق لوگوں کا حصہ بھی رکھا ہے جو اتنی دولت نہیں کما سکے جس سے وہ اپنی عزت کے ساتھ گزر اوقات کر سکیں۔ اس کے لیے اسلام نے ہمیں دو بڑے ''نظامِ معیشت'' عطا فرمائے ہیں' جن کے ذریعے سے دنیا میں انسانوں کے اندر جو معاشی ناہمواری پائی جاتی ہے' اس کا ازالہ کیا گیا ہے' تاکہ دنیوی زندگی میں معاشی ناہمواری ان کے لیے اپنے اللہ کی بندگی (یعنی عبادت) بجالانے میں کسی قسم کی رکاوٹ کا باعث نہ بنے۔ ایک ہے: نظامِ زکوٰۃ اور دوسرا نظامِ صدقات۔

''نظامِ زکوٰۃ'' کے بارے میں بالکل واضح طور پر حکم دیا گیا کہ اہل ایمان اس کو قائم کریں۔ قرآن حکیم میں اکثر و بیشتر جہاں بھی ''نظامِ صلوٰۃ'' قائم کرنے کا حکم دیا گیا' وہاں ''نظامِ زکوٰۃ'' قائم کرنے کا حکم بھی اللہ ربّ العزت نے جاری فرمایا۔ جس طرح صلوٰۃ کا قیام انسان کے جسم اور روح کی تطہیر میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کے نظام کا قیام انسان کے مال کی تطہیر اور پاکی کا باعث بنتا ہے۔ گویا مال کی جو میل کچیل دل میں بیٹھ جاتی ہے اس کی تطہیر کا ذریعہ اللہ رب العزت نے زکوٰۃ کو بنایا۔ چنانچہ اس کے واضح فوائد ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک تو معاشی ناہمواری انسانوں کے اندر سے دور ہوتی ہے۔ دوسرا زکوٰۃ دینے والے کے مال کی تطہیر کے ساتھ ساتھ اس کو روح کی بالیدگی بھی حاصل ہوتی ہے۔ اور سب سے بڑی بات اللہ رب العزت کا ایک ''امر'' پورا ہوتا ہے جو زکوٰۃ دینے والے کے لیے اللہ کی رضا کا باعث ہوگا۔ ذرا تھوڑی دیر کے لیے غور فرمائیے' اللہ کے اس امر کے پورا کرنے میں انسانی فلاح کے کن کن پہلوؤں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس طرح کے احکام صرف اور صرف ایسی ہستی ہی صادر فرما سکتی ہے جو غنی بھی ہو اور صمد بھی ہو۔ کیونکہ وہ تو ہر حاجت سے پاک ہے' اسے تو صرف اپنے بندوں کی بہتری مقصود ہے' خواہ زکوٰۃ لینے والے ہوں یا دینے والے۔ ''شرح زکوٰۃ'' جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کی وہ پورے مال میں سے صرف اڑھائی فیصد' یعنی بندہ ۱۰۰ روپے کی مالیت میں سے صرف اڑھائی روپے' زکوٰۃ کے طور پر ادا کر کے اپنے مال کو پاک کرے اور اللہ کے ''امر'' کو پورا کرتے ہوئے اللہ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرے۔

دوسرا نظامِ صدقات ہے۔ صدقات ادا کرنے کی مالک کائنات نے کوئی شرح مقرر نہیں کی' بلکہ جتنا مال حاجت مندوں اور ضرورت مندوں تک آپ پہنچا سکیں' اتنا ہی اللہ کا قرب نصیب ہوگا۔ اس بات کی ترغیب دی کہ جو مال تمہاری ضرورتوں سے زائد ہو' اس کو اللہ کے راستے میں صدقہ کرو۔

اب ذرا سوچیے! جس معاشرہ میں افراد کی ضروریات کا اس قدر خیال رکھا جائے گا وہاں معاشی ناہمواری کیسے پیدا ہوگی؟ یہ شان صرف اور صرف اسلام کی ہے کہ اُس نے ایک ایسا نظام متعارف کرایا جس میں انسانیت کے لیے خیر ہی خیر ہے' بہتری ہی بہتری ہے' بھلائی ہی بھلائی ہے' کیونکہ اسلام کی سچائیاں ہی اس کا حسن ہیں۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں اسلام صرف معرفت کا نام نہیں بلکہ عمل کا نام بھی ہے۔

کیا سیکولرزم اور اسلام ایک ساتھ چل سکتے ہیں؟

اب ایک اور سوال ذہن میں اُبھرتا ہے کہ کیا سیکولرازم (Secularism) اور اسلام ایک ساتھ چل (co-exist کر) سکتے ہیں؟ سیکولرازم' سوشلزم' سرمایہ داری نظام' کیا ان کی موجودگی میں ''اسلام'' پر عمل پیرا ہوا جا سکتا ہے؟ اس کا بالکل سادہ سا جواب ہے کہ جب بھی کسی نظریہ حیات کا انتخاب کیا جائے گا تو اس کے ہر پہلو اور ہر گوشہ کو اپنی عملی زندگی میں لاگو کرنا ہوگا۔ اس کے بغیر وہ نظامِ زندگی جو مراعات انسانیت کو دینا چاہتا ہے ان کا حصول ممکن نہیں۔ یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس وقت حیاتِ انسانی کو دو گوشوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک گوشہ زندگی کو private affairs of life اور دوسرے گوشہ زندگی کو Public affairs of life کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ان کے نام سے ہی واضح نظر آتا ہے کہ ''دو گوشوں'' میں تقسیم ہونے والی زندگی' انفرادی اور اجتماعی' کیونکر کامیابی سے ہم کنار ہو سکتی ہے جب تک اس کی نظریاتی بنیادیں مضبوط نہ ہوں!

اسلام کے بنیادی عقائد

اب ''اسلام'' کا ''نظریۂ حیات'' ایک دفعہ پھر دیکھتے ہیں۔ اس کی بنیاد ہی ''عقیدۂ توحید'' پر ہے۔ گویا ربّ کائنات جو مالک کائنات بھی ہے اور اپنی کائنات پر تصرف کرنے کی بھی قدرت رکھتا ہے اور مالک یوم الدین بھی ہے' قیامت کا دن بھی وہی برپا کرے گا اور ہر انسان کے فیصلے بھی خود فرمائے گا' بغیر کسی وزیر' مشیر کے۔ ''اسلام'' جو ''نظریہ حیات'' انسانیت کے لیے پیش کرتا ہے' اس میں تین بنیادی عقائد ہیں:

(۱) اللہ کی وحدانیت کو ماننا (عقیدۂ توحید کا اقرار)

(۲) اللہ کے رسول ﷺ کی مکمل اطاعت (پیدائش سے موت تک)

(۳) معاد یعنی قیامت پر ایمان (گویا دوبارہ زندہ ہونے اور حساب کتاب کے لیے پیش ہونے اور جنت و دوزخ کو برحق ماننا)

درج بالا تین ایمانیات کے عقائد ہی اسلام نے انسانیت کے سامنے پیش کیے۔ جو فرد بھی ان سے انحراف کرے گا' گویا زبان سے اقرار نہیں کرے گا اور دل سے اس کی تصدیق نہیں کرے گا اور اسے اپنی عملی زندگی میں جاری و ساری نہیں کرے گا' تو وہ خسران اور گھاٹے میں رہنے والوں میں سے ہوگا۔ ہر فرد کی جواب دہی' آخرت میں الگ الگ ہوگی۔ چونکہ ''معاشرہ'' کا وجود بھی ''افراد'' ہی سے بنتا ہے لہٰذا جب افراد کا محاسبہ ہوگا تو معاشرہ بھی اس محاسبہ کی لپیٹ میں آئے گا۔ کیونکہ انسانیت کو یہ تعلیم دی گئی ہے:

((حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا)) (۱)

''اپنے آپ کا محاسبہ کرو' پیشتر اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے (قیامت کے دن)۔''

نبی اکرم ﷺ کے ایک فرمان کا مفہوم ہے کہ: جنت ایک چٹیل میدان ہے جس کی مٹی بڑی زرخیز ہے' وہاں کے باغات ہم نے خود ہی لگانے ہیں' اللہ کے ذکر سے' یعنی سبحان اللہ' الحمد للہ' اللہ اکبر' لا الٰہ الا اللہ۔ صدق دل سے ان کا ادا کرنا گویا جنت کے پودے لگانا ہے۔

(۱) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا قول ۔ مسند الفاروق لابن کثیر : ۶۱۸/۲

مسلم اُمّہ کی ذمہ داری

اب پوری انسانیت کو تباہی کے گڑھے سے بچانے کے لیے حضور اکرم ﷺ کی اس آخری اُمت کی ذمہ داری لگائی گئی ہے کہ قیامت تک آنے والے انسانوں کو جنت کی بشارتیں سنائیں اور دوزخ کی ہولناکیوں سے خبردار کریں۔ گویا ((بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً))(۱) کے مصداق اگر ایک آیت بھی آپ کو یاد ہے تو اسے دوسروں تک پہنچائیں —— پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس وقت دنیا کی کل آبادی سات ارب ہے' جس میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً ڈیڑھ ارب بنتی ہے —— ہر مسلمان اٹھ کھڑا ہو اور اپنے کام میں لگ جائے' وہ کام جو حضور ﷺ کی ختم نبوت کے طفیل اس آخری اُمت کو عطا ہوا ہے۔ کوئی مانے نہ مانے' ہمیں ہر حال میں اللہ کے پیغام کو اس کے بندوں تک پہنچانا ہے اور بندوں کو بندوں کی غلامی سے نجات دلانا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بندوں کو اللہ کی غلامی میں لانا ہے۔ یہی تو انبیاء کرامؑ کی بعثت کا مقصد ہوا کرتا تھا۔ یہی اللہ رب العزت کی منشا ہے اور یہی ہمارا مقصد زندگی ہونا چاہیے۔ تب اللہ کی رحمت و رأفت سے توقع کی جا سکتی ہے کہ آخرت میں وہ ہمارے حال پر رحم فرمائے گا (ان شاء اللہ) اور ہمارا حشر بھی صالحین کے ساتھ ہوگا۔ بہرکیف شروعات ضروری ہیں' خواہ سوچ کے ذریعے سے ہی کیوں نہ ہوں' کیونکہ پہلا قدم بھی اس پہلی سوچ کا ہی محتاج ہوا کرتا ہے۔ عقل انسانی' جو انسان کو بطور نعمت ودیعت کی گئی ہے' اسے بروئے کار لاتے ہوئے عملی لائحہ عمل اختیار کرنا ازبس ضروری ہے۔

آیئے ہم سب مل کر عالمی معاشرے —— گویا ساری ''انسانیت'' کو —— انسانوں کی غلامی سے نجات دلائیں اور بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لانے کی سعی و جُہد کرنے کا مصمّم ارادہ کریں۔ اس کے ساتھ ہی' معاشرے کے ان تمام غلط رویوں کے خلاف علم بغاوت بلند کریں اور ان کو بدلنے کے لیے' ان کے سامنے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں۔ اس طرح اللہ کی اس منشا کو پورا کرنے کے لیے اس کے راستے میں اپنا سب کچھ لگا دیں یعنی مال و جان' وقت اور اللہ کی عطا کردہ ساری کی ساری صلاحیتیں اس کی راہ میں خرچ کر ڈالیں۔ جب ہاتھ خالی رہ جائیں تو اپنے ہاتھ اللہ ربّ العزت کے سامنے پھیلائیں' اس دعا کے ساتھ کہ اے اللہ! اے قادرِ مطلق! اے ذوالجلال والاکرام' اے قوّۃ المتین' اے علام الغیوب! ہماری غیب سے مدد و نصرت فرما' جس طرح تو اپنے انبیاء اور صلحاء کی مدد کیا کرتا ہے۔ آمین! پھر دیکھئے' اللہ کیا کرتا ہے! اُس کا ''غیبی نظام'' کیسے حرکت میں آتا ہے۔

اپنی اور آپ سب کی تسلی کے لیے آخری بات عرض کرتا ہوں کہ کامیابی اور ناکامی کا دار و مدار نتائج پر مبنی نہیں' بلکہ خلوصِ نیت اور پختہ ارادوں سے محنت کرنے والوں کے کیے ہوئے اعمال پر منحصر ہے' کیونکہ بعض انبیاء کرامؑ کا ایک اُمتی بھی نہ تھا' لیکن تمام انبیاء اپنے مشن میں سو فیصد کامیاب رہے۔ یہ اللہ کی سنت ہے کہ وہ کسی کی اخلاص و ایمان کے ساتھ کی ہوئی محنت کو ضائع نہیں کرتا' بلکہ اس کا اجر ضرور عطا فرماتا ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب احادیث الانبیاء' باب ذکر عن بنی اسرائیل۔

اللہ تعالیٰ سے دعا

آخر میں دعا ہے کہ اللہ ربّ العزت باطل اور کفر کو مٹائے اور حق کا غلبہ اور بول بالا ہو۔ جب حق آتا ہے تو باطل مٹ جاتا ہے' کیونکہ باطل تو مٹنے ہی والی چیز ہے' بالفاظِ قرآنی:

﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝۸۱﴾ (بنی اسراء یل)

اس دعوت کے نتیجہ میں کفر اور باطل پر چوٹ پڑے گی اور وہ کمزور ہوگا۔ ہمیں اپنی زندگی کے رخ کو اسلام کی حقیقی روح کی طرف موڑنا ہوگا۔ تمام عبادات کو ان کی اصلی روح کے ساتھ زندہ کرنا ہوگا۔ تمام انسانی معاملات کو اللہ کی مرضیات کے مطابق طے کرنا ہوگا۔ کفر کو نشانہ بنانا ہوگا اور پوری قوت کے ساتھ باطل کی جڑوں کو کھوکھلا کرنا ہوگا۔ باطل کے گھر کی مثال تو مکڑی کے جالے کی سی ہے' کہ بہت ہی کمزور اور ناپائیدار ہوتا ہے' ہوا کے ایک جھونکے سے ملیامیٹ ہو جاتا ہے۔

اللہ اپنے وعدوں میں سچا ہے' وہ اپنے صالح بندوں اور وہ بندے جو اُس کے کام میں لگے ہوئے ہوں' ان کی ضرور بر ضرور مدد و نصرت کرتا ہے۔ اس کی غیبی امداد بھیجنے کے طریقے اپنے بندوں کو ہمیشہ کامیاب و کامران کرتے ہیں۔ ایک بار پھر اللہ ربّ العزت کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں اس دعا کے ساتھ:

اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ ﷺ وَاجْعَلْنَا مِنْھُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ ﷺ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْھُمْ

❁❁❁

بقیہ: حج کی فرضیت اور فضیلت

وسعت ہونے کے باوجود حج کی ادائیگی میں تاخیر کرنا مناسب نہیں۔ مہلت عمر کا کچھ پتا نہیں' اس لیے جب حج کی فرضیت کی تمام شرائط پوری ہوں تو سارے کام چھوڑ کر حج کا سفر اختیار کرنا چاہیے۔ وسعت ہوتے ہوئے حج نہ کرنا بڑی بدنصیبی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس کے پاس سفرِ حج کا ضروری سامان ہو اور اس کو سواری میسر ہو جو بیت اللہ تک اس کو پہنچا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر''۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ کے لیے بیت اللہ کا حج فرض ہے ان لوگوں پر جو اس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں''۔ (ترمذی) جب کسی مسلمان کو حج کی استطاعت میسّر آ جائے تو ہر عذر کو پس پشت ڈال کر حج کرنا چاہیے۔ اکثر ملازم پیشہ لوگوں سے سنا ہے کہ ریٹائر ہو جائیں گے تو حج کریں گے۔ یہ بہت بڑا دھوکہ ہے۔ اس صورت میں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اگر حج کی استطاعت ہوتے ہوئے حج نہ کیا اور وفات کا وقت آ گیا تو پھر اس کی تلافی کیسے ہوگی!

زیر درس حدیث سے جہاں حج کی اہمیت و فضیلت معلوم ہوتی ہے وہاں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کے احکام کی کھوج کرید میں پڑنے کی بجائے سیدھے سادے انداز میں ان پر عمل کرنا چاہیے۔ نیز یہ کہ فرض حج عمر میں ایک ہی دفعہ ہے' نفل جتنی دفعہ مرضی کرے' فائدہ ہی فائدہ ہے۔ ❁❁❁